دیوبندی اشتہار

"رسول اکرم ﷺ کی نماز" کا تحقیقی جائزہ

تحریر: محقق العصر الحافظ زبیر علی زئی محمدی حضرو۔اٹک

جناب "حافظ محمد ادریس عزیز" نامی ایک شخص نے اپنے والد محترم۔ جو کہ مسلکاً اھل حدیث ہیں۔ کو ایک خط لکھا جس میں حافظ صاحب نے ایک اشتہار کی فوٹو سٹیٹ کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"چند حوالے کے طور پر قوی احادیث ہیں، انکو اپنے کسی عالم سے بیشک چیک کروالیں"

اور لکھا ہے کہ : "الحمد للہ یہ احادیث مبارکہ قوی ہیں اور ان میں کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے"۔

جناب ظفر اقبال صاحب (مجلہ، نارووال) نے راقم الحروف سے درخواست کی کہ اس اشتہار کا جواب لکھا جائے۔

"جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلہ جہلم" کا شائع کردہ یہ اشتہار چند ان اختلافی مسائل پر مشتمل ہے جو کہ اھل الحدیث اور آلِ دیوبند وآلِ بریلی کے درمیان متنازعہ ہیں۔لہٰذا "الدين النصيحة" کی رو سے اس اشتہار پر مختصر و جامع تبصرہ پیش خدمت ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ : ﴿ان جآءكم فاسق بنبإ فتبينوا﴾ (الحجرات :٦) " اگر تمارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلو"۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ عادل کی خبر واحد مقبول ہے اور فاسق کی خبر مردود ہے دیکھئے۔ (الجامع لاحکام القرآن / القرطبی :١٦/ ٣١٢ وغیرہ)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے : (المؤمنون شهداء الله في الارض) "مومن بندے اس زمین میں اللہ کے گواہ ہیں"۔ (صحیح البخاری :١/ ٣٦٠ کتاب الشہادات)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن بندوں کی گواہی مقبول ہے۔ لہٰذا راویانِ حدیث وغیرہ کا فیصلہ مومنین کی گواہی سے ہوگا۔جرح و تعدیل کا دارومدار ثقہ و متقی مومنین پر ہے،دیکھئے حاشیہ صحیح البخاری :١/ ١٨٣/ا،وغیرہ)

اس پر محدثین کا اتفاق ہے کہ جس روایت میں پانچ شرطیں پائی جائیں۔وہ روایت صحیح ہے۔

١) عدالتِ راوی ٢) ضبطِ راوی ٣) اتصالِ سند

۴) عدم شذوذ ۵) عدم علت

دیکھئے اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیرؒ: ۱۹، ۲۰ وغیرہ

اس اجماعی اصول کے بعد عرض ہے کہ اگر کسی روای کے عدل وضبط پر اختلاف ہو جائے تو محدثین کے نزدیک اکثر (یعنی جمہور مومنین) کے قول کا اعتبار ہے۔ دیکھئے سیرت المصطفی للشیخ محمد ادریس الکاندھلوی: ۱/ ۷۹ وغیرہ۔ اس تمہید کے بعد اب اشتہار" رسول اکرم ﷺ کی نماز" نامی پر درج ذیل تبصرہ پیش خدمت ہے۔

نماز میں ہاتھوں کا ناف کے نیچے رکھنا

((عن ابی جحیفة ان علیاً رضی الله عنه قال السنة وضع الکف فی الصلوة تحت السرة))

(ابوداؤد: ۷۶، دارقطنی: ۲۸۶)

ترجمہ: " حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز میں ہاتھ کو ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا مسنون طریقہ ہے"

☆ یہ روایت ہمارے نسخہ (المجتبائیہ) کے حاشیہ (۱/ ۱۱۷) پر موجود ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ:

"قال ابوداود سمعت احمد بن حنبل یضعف حدیث عبدالرحمن بن اسحاق الکوفی"

ابوداود نے کہا: میں نے احمد بن حنبل کو سنا۔ آپ (اس حدیث کے راوی) عبدالرحمٰن بن اسحاق کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے"

سنن دارقطنی کے ہمارے نسخہ (ط دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور) میں یہ روایت (۱/ ۲۸۶) پر عبدالرحمٰن بن اسحاق کی سند کے ساتھ مذکور ہے اس عبدالرحمٰن کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں " ضعیف " (سنن دارقطنی: ۱/ ۱۲۱) یہ ضعیف ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ یہ روایت ابوداود اور دارقطنی دونوں کے نزدیک ضعیف ہے، سوال یہ ہے کہ مشتہر نے یہ جروح کس وجہ سے چھپائی ہیں؟

عبدالرحمٰن مذکور پر شدید جروح کے لیے دیکھئے البنایہ فی شرح الہدایہ للعینی (۲/ ۲۰۸)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: "فان عبدالرحمن بن اسحاق ضعیف بالاتفاق" پس بے شک عبدالرحمٰن بن اسحاق بالاتفاق ضعیف ہے۔ (نصب الرایہ: ۱/ ۳۱۴)

عبدالرحمٰن کی اس روایت کے بارے میں الہدایہ (اولین) کے حاشیہ / ۱۷: ۱/ ۱۰۲) پر لکھا ہوا ہے کہ " ضعیف متفق علی ضعفه کذاقال النووی " یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

یہی بات امام نوویؒ نے فرمائی ہے۔

آپ خود غور کریں کہ بالاجماع ضعیف راوی کی بالاجماع ضعیف روایت کو "قوی" قرار دینا کتنا بڑا ظلم ہے؟

اس بالاجماع مردود روایت کے مقابلے میں حلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: یضع هذه علی صدره.... الخ "آپ ﷺ یہ (ہاتھ) اپنے سینہ پر رکھتے تھے، الخ" (مسند احمد: ۵/۲۲۶) واللفظ له، التحقیق لابن الجوزی: ۱/۲۸۳ ح ۴۷۷، وفی نسخہ: ۱/۳۳۸) اسکی سند "حسن" ہے۔ دیکھئے التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی: ۱/۲۸۵، وغیرہ

بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا

بسم اللہ کا آہستہ یا جہراً پڑھنا دونوں طرح صحیح ہے۔ دیکھئے الاعتبار للحازمی: ۸۴ وغیرہ۔

امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: "حدثنا خالد بن مخلد عن عمر بن ذر عن ابیه عن سعید بن عبدالرحمن بن ابزی عن ابیه ان عمر جهر ببسم الله الرحمن الرحیم" (المصنف: ۱/۴۱۲)

"ہمیں خالد بن مخلد نے عمر بن ذر سے حدیث بیان کی وہ اپنے باپ سے وہ سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہر کے ساتھ پڑھی تھی"۔

خالد بن مخلد ثقہ ہے۔ (فتح الباری: ۹/۵۲۴ کتاب الاطعمہ ب ح ۵۳۷۹)

لہذا اس پر جرح مردود ہے (ابن قتیبہ نے اسکی متابعت کر رکھی ہے (السنن الکبری للبیهقی: ۲/۴۸) عمر بن ذر ثقہ رمی بالارجاء ہے (تقریب التہذیب: ۳۸۲) ذر بن عبداللہ ثقہ عابد رمی بالارجاء تھا۔ (ایضاً: ۱۵۱)

سعید بن عبدالرحمٰن ثقہ ہے (ایضاً: ۱۸۹) عبدالرحمٰن بن ابزیٰؓ صحابی صغیر ہیں۔ "وکان فی عهد عمر رجلاً وکان علی خراسان لعلی" (ایضاً: ۳۰۳)

لہذا ثابت ہوا کہ یہ سند صحیح ہے۔

عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ: "کان ابن عباس و ابن عمر یجهران ببسم الله الرحمن الرحیم" (جزء الخطیب) "ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ جہر کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے"۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: "صحیح" یہ صحیح ہے۔ مختصر الجہر بالبسملہ للخطیب: ۱۸۰ ح ۱۴) ان کے علاوہ ابن الزبیرؓ وغیرہ سے بھی یہی مسئلہ مروی ہے، لہذا دونوں طریقے جائز ہیں۔

مرفوع احادیث کے لیے السنن الکبری للبیهقی وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنا

((عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام ليؤ تم به فاذا كبرفكبروا واذاقرأ فانصتوا واذاقال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنالک الحمد))(نسائی :۱/۱۴۶)

ترجمہ : حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امام اسی لئے ہے کہ اسکی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے تو تم "اللھم ربنالک الحمد" کہو۔

((عن ابی موسی الا شعریؓ قال خطبنا رسول الله ﷺ فعلمنا سنتنا وبین لنا صلوتنا فقال اذا كبرالاسام فكبروا و اذاقرأ فانصتوا)) صحیح ابی عوانہ :۲/۱۳۳ و لفظہ للمسلم :۱/۱۹۳)

ترجمہ :" ابو موسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی اور ہمیں نماز کا طریقہ بتلایا کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرات کرے تو تم خاموش رہو"۔

☆ ان دونوں روایتوں میں فاتحہ خلف الامام کی صراحت نہیں ہے بلکہ راوی حدیث جناب ابو ھریرہؓ فرماتے ہیں :
" اذاقرأ الامام بام القرآن فاقرأ بها واسبقه" "جب امام سورۃ فاتحہ پڑھے تو تم بھی وہ پڑھو اور اس سے آگے نکل جاؤ"۔(آثار السنن : ۲۲۳ ح ۳۵۸ قال :رواہ البخاری فی جزء القراءۃ واسنادہ حسن)
مشہور تقلید پرست "حنفی" نیموی نے کہا کہ :اسکی سند حسن ہے(ایضاً)

راوی حدیث کے فہم و فتوی سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالادونوں روایات میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں ہے۔ورنہ روایت کا پہلا مخالف اسکا راوی قرار پائے گا۔جو کہ عقلاً ونقلاً محال ہے۔ متعدد صحیح روایات میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً

"لاتفعلوا الا بام القران فانه لاصلوة لمن لم يقراء بها" "کچھ بھی نہ پڑھو سوائے سورۃ فاتحہ کے کیونکہ اسکے بغیر نماز نہیں ہوتی"(کتاب القراءۃ للبیہقی :۶۴۔ وقال : وهذا اسناد صحيح)
مزید تحقیق کے لیے راقم الحروف کی کتاب "الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہریہ" کا مطالعہ کریں

آمین آہستہ کہنا

((عن وائل بن حجرؓ قال صلى بنا رسول الله ﷺ فلما قرأ "غير المغضوب عليهم ولا الضالين " "قال امين " و اخفى بها صوته (مسند امام احمد :۴/۳۱۶ ۔دارقطنی :۱/۳۳۴)

ترجمہ :وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ نے "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین "پڑھا تو آہستہ آواز سے "آمین "فرمایا"

☆ سنن دارقطنی کے ہمارے نسخہ میں :۱/ ۳۳۴ لکھا ہوا ہے کہ :

"عن وائل بن حجر قال: صليت مع رسول الله ﷺ فسمعته حين قال: "غير المغضوب عليهم ولا الضالين "قال: امين واخفى بها صوته "

"جناب وائلؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، پس میں نے آپؐ کو کہتے ہوئے سنا آپ نے جب "غير المغضوب عليهم ولا الضالين "کہا تو آمین کہا اور اپنی آواز کا اخفا کیا"۔

قطع نظر امام دارقطنی کی جرح کے اس روایت سے ثابت ہوا کہ وائلؓ نے آپکی "آمین "کی آواز سنی تھی لہذا اخفی بہا صوتہ کا مطلب یہ ہے کہ بہت بلند آواز سے آمین نہیں کہی بلکہ ایسی آواز سے کہی کہ وائلؓ نے سن لی۔

اس روایت کی دوسری اسانید میں آیا ہے کہ :" فجهر بآمين " "آپ ﷺ نے آمین بالجہر کہی تھی"۔

(سنن ابی داود مع عون المعبود :۱/ ۳۵۱ :۳۵۲ وغیرہ)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :وسندہ صحیح (التلخیص الحبیر :۱/ ۲۳۶ ح ۳۵۳)

نماز میں تحریمہ کے بغیر رفع یدین نہ کرنا

((عن علقمةؓ عن عبدالله قال الااخبركم بصلوة رسول الله ﷺ قال فقام فرفع يديه اول مرة ثم لم يعد))(نسائی :۱/ ۱۵۸)

ترجمہ : عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کیا میں رسول اللہ کی نماز کے بارہ میں مطلع نہ کروں چنانچہ کھڑے ہوئے اور ایک ہی مرتبہ ہاتھ اٹھائے پھر آخر تک ایسا نہ کیا۔

عن عبدالله عن النبي ﷺ انه كان يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود (طحاوی :۱/ ۱۱۰)

ترجمہ : حضرت عبداللہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تکبیر اولی کے وقت رفع یدین کرتے پھر (پوری نماز میں) کہیں ایسا نہ کرتے"۔

☆ اس سلسلہ میں مشتہر نے دو روایات لکھی ہیں جو کہ ایک سند ہونے کی وجہ سے ایک ہی روایت ہے۔

اس روایت کے ایک بنیادی راوی سفیان ثوریؒ ہیں۔ جو کہ "عن" سے روایت کر رہے ہیں۔ ابن ترکمانی حنفی نے لکھا ہے کہ "الثوری مدلس "(الجوہر النقی :۸/ ۲۶۲)الثوری مدلس ہیں۔ یہی تحقیق پرائمری ماسٹر امین

اوکاڑوی (مجموعہ رسائل : ۳/۳۳۱) شیر محمد مماتی دیوبندی (آئینہ تسکین الصدور ص ۹۰، ۹۲) محمد شریف کوٹلوی (فقہ الفقیہ : ۱۴۴) وغیرھم کی ہے۔

اصول حدیث میں یہ مقرر ہے کہ مدلس کی عن والی روایت نا قابل حجت ہوتی ہے۔ دیکھئے خزائن السنن وغیرہ۔

اس پر مستزاد یہ کہ جمہور محدثین نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے التلخیص الحبیر ۱/۲۲۲ وغیرہ۔ اسکے برعکس صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرھما میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے دیکھئے قطف الازھار للسیوطی وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ اگر اس روایت سے پہلے رفع یدین کے علاوہ باقی ہر رفع یدین کی نفی ہے تو حنفیہ وتر اور عیدین میں کیوں رفع یدین کرتے ہیں؟ بینوا توجروا!

دو رکعتوں کے درمیان جلسہ استراحت نہ کرنا

((عن ابی ہریرۃؓ قال کان النبی ﷺ ینھض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ (ترمذی : ۱/۶۴)

ترجمہ : "حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز میں اپنے قدموں کے بل کھڑے ہو جاتے"۔

☆ اس مسئلہ میں مشتہر نے صرف ایک روایت لکھی ہے۔ جسکی سند میں خالد بن الیاس نامی راوی موجود ہے۔ اگلے صفحہ پر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: "خالد بن ایاس ضعیف عند اھل الحدیث" خالد بن الیاس محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (سنن ترمذی : ۱/۶۵)

جبکہ جلسہ استراحت کا حکم (صحیح البخاری : ۲/۹۲۴ اور عمل : ۱/۱۱۴، صحیح البخاری) دونوں ثابت ہیں۔

بائیں پاؤں پر بیٹھنا اور دایاں پاؤں کھڑا کرنا

((عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ یستفتح الصلوۃ بالتکبیر (الی ان قالت) وکان یفترش رجلہ الیسری و ینصب رجلہ الیمنی)) (مسلم : ۱/۱۹۴، ۱۹۵)

ترجمہ : "حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر سے نماز کا آغاز کرتے"

(انکے مفصل بیان کے آخر میں ہے کہ آپ بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر دیتے)

☆ اس عنوان کے نیچے مذکور روایت میں یہ مسئلہ مذکور نہیں کہ چار رکعت والی نماز کس طرح بیٹھنا چاہیے۔ لہذا اسے تورک کے خلاف پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ :

((فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسری ونصب الیمنی فاذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله الیسری و نصب الاخری و قعد علی مقعدته))

ترجمہ: جب (آپ ﷺ از راقم الحروف) دوگانہ کے بعد تشہد میں بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے۔ اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔ جب آخیر رکعت میں بیٹھتے تھے تو بایاں پاؤں دائیں پاؤں کے نیچے سے نکال دیتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے اور سرینوں کے بل بیٹھتے تھے۔ (مترجم :۱/ ۸۰ ۱ از عبدالدائم الجلالی الدیوبندی)

اس روایت سے چار یا تین رکعتوں والی نماز میں آخری رکعت میں تورک کا ثبوت ہے۔ سیدہ عائشہؓ والی روایت دوسری رکعت کے بارے میں ہے، لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

منکرین تورک کا فرض ہے کہ چار رکعت والی نماز میں تورک کا عدم ثابت کردیں۔ اد لیس فلیس

فجر کی سنتیں سورج طلوع ہونے کے بعد ادا کرنا

((عن ابی سعید الخدری یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول لا صلوة بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوة بعد العصر حتی تغیب الشمس))(بخاری :۱/ ۸۲، ۸۳)

ترجمہ: ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صبح کے بعد سورج کے بلند ہونے تک اور عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں۔

((عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس))(ترمذی :۱/ ۹۶)

ترجمہ: "حضرت ابو هریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھیں ہوں تو اس کو چاہیے کہ انکو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے"۔

☆اس سلسلہ میں مشتہر نے دو روایتیں لکھی ہیں۔ پہلی میں صبح کی دو سنتوں کا ذکر نہیں ہے۔ دوسری روایت ترمذی :۱/ ۹۶ میں قتادہ سے ہے جو کہ مشہور مدلس ہے۔ قتادہ کا مدلس ہونا عینی حنفی نے بھی عمدۃ القاری :۱/ ۱۴۱) میں تسلیم کیا ہے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ مدلس کا عنعنة نا قابل حجت ہوتا ہے۔

اس روایت کے برعکس یہ ثابت ہے۔ کہ ایک شخص نے صبح کی دو سنتیں فرض کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے پڑھیں تو آپ ﷺ نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔ (صحیح ابن خزیمہ :۲/ ۱۶۴)(صحیح ابن حبان :۴/ ۸۲)

امام حاکمؒ اور ذہبیؒ دونوں نے اسے "صحیح" قرار دیا ہے۔ (المستدرک :۱/ ۲۷۴ والتلخیص)

لطیفہ امام ابو حنیفہؒ کا فتوی یہ ہے کہ جس شخص کی دو سنتیں رہ جائیں وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھے نہ بعد میں (الھدایہ: ۱/۱۵۲، اولین باب ادراک الفریضہ)

لہذا ثابت ہوا کہ اس مسئلہ میں مدعیانِ تقلید ابی حنیفہ کا قول و فعل اس حنفی فتوی کے سراسر خلاف ہے۔

فجر کو سفیدی میں ادا کرنا

((عن رافع بن خدیجؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر)) (ترمذی: ۴۰) ترجمہ: ''حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فجر کو روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ ایسا کرنا ثواب کے لیے بہت سود مند ہے۔

((عن محمود بن لبید عن رجال من قومہ من الانصار ان رسول اللہ ﷺ قال ما اسفر تم بالصبح فانہ اعظم بالا جر)) (نسائی: ۹۴) ترجمہ: ''حضرت محمود بن لبیدؓ اپنی قوم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم فجر جس قدر روشنی میں پڑھو گے ثواب میں زیادتی ہو گی''۔

☆اس مسئلہ میں مشتہر نے دو حدیثیں (ترمذی و نسائی سے) لکھی ہیں۔

حالانکہ سنن ابی داود میں حدیث المواقیت میں ہے کہ:

''ثم کانت صلوتہ بعد ذلک التغلیس حتی مات ولم یعد الی ان یسفر'' ''پھر اس کے بعد آپ کی صبح کی نماز اندھیرے میں ہوتی تھی حتی کہ آپ فوت ہو گئے، اور آپ نے دوبارہ روشنی میں نماز صبح نہیں پڑھی''

(۱/ ۶۳ ح ۳۹۴ باب فی المواقیت)

اس روایت کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم: ۱/ ۱۹۲، ۱۹۳ اور خطابی نے صحیح کہا اور ابن سید الناس نے کہا: اسنادہ حسن، ابو داود کی تعلیل کا بہترین جواب فتح الباری: ۲/ ۶ پر ہے۔

صحیح مسلم کے راوی اسامہ بن زید کے بارے میں حافظ ذھبیؒ فرماتے ہیں: صدوق قوی الحدیث، الخ (ذکر اسماء من تکلم فیہ وھو موثق: ۴۱)

لہذا ثابت ہوا کہ مشتہر کی مستدل دونوں روایتیں منسوخ ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے۔ امام حازمی کی (الاعتبار فی الناسخ و المنسوخ من الآثار: ۱۵۹ بیان نسخ الافضلیۃ بالاسفار)

گرمیوں میں ظہر کا دیر سے پڑھنا

((عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ ابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم))

(صحیح بخاری :۱/۷۷)

ترجمہ :ابو سعیدؓ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو۔ کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

((عن انس بن مالکؓ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کان الحر ابرد بالصلوۃ اذا کا ن البرد عجل)) (نسائی :۸۷) ترجمہ :" انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گرمی میں نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے اور سردی میں جلدی کرتے "۔

☆اس عنوان میں مشتہر نے دو روایتیں (صحیح بخاری :۱/۷۷ و نسائی) پیش کی ہیں۔ اول الذکر حدیث میں "فی سفر" کی صراحت ہے۔

حدیثِ ثانی کے راوی حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث صحیح بخاری میں ہے کہ :کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ ﷺ بالظھائر سجدنا علی ثیابنا اتقاء الحر "(۱/۷۷)

"جب سخت گرمی میں ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو گرمی کی سوزش سے بچنے کے لیے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے" لہذا حدیث نسائی کو بھی سفر پر محمول کیا جائے گا۔

سفر میں جمع تقدیم کی طرح جمع تاخیر بھی جائز ہے۔ لہذا سفر والی روایات کی بنیاد پر "الصلوۃ فی اول وقتھا" کو منسوخ قرار دینا غلط ہے۔

تقلیدی حضرات سے درخواست ہے کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ سے ظہر کی نماز کا دیر سے پڑھنا ثابت کریں اور اگر نہ کر سکیں تو درج بالا دلیل کے علاوہ (مصنف ابن ابی شیبہ :۱/۳۲۳) وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

سوید بن غفلہ رحمہ اللہ ظہر کی اول وقت نماز پر اس قدر ڈٹے ہوئے تھے کہ مرنے کیلیے تیار ہو گئے۔ مگر یہ گوارا نہ کیا کہ ظہر کی نماز لیٹ پڑھیں اور لوگوں کو بتایا کہ ہم ابو بکرؓ و عمرؓ کے پیچھے اول وقت پر نمازِ ظہر ادا کرتے تھے۔ (ایضاً)

موطا امام مالک میں عمرؓ کا فتویٰ مذکور ہے کہ :

"صل الظھر اذا زاغت الشمس "(۵/ولہ طرق کثیرۃ) "جب سورج ڈھل جائے تو ظہر پڑھ لو"۔

اس صدیقی و فاروقی عمل و فتویٰ کے خلاف سفر والی روایت پیش کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

تین وتر

((عن عبداللہ بن عباسؓ انہ رقد عند رسول اللہ ﷺ (الی ان قال) ثم اوتر بثلاث)) (مسلم

:۱/۲۶) ترجمہ : عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سوئے ہوئے تھے۔(اس طویل بیان کے آخر میں کہتے ہیں کہ)آپ نے پھر تین وتر پڑھے۔

((عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر بسبح اسم ربک الا علی " و قل یا ایھاالکفرون " و" قل ھو اللہ احد")) (ترمذی :۱۰۶انسائی ۲۵۱ /ابن ماجہ :۸۳)

ترجمہ :"ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ "سبح اسم ربک الا علی " اور "قل یاایھاالکفرون "اور" قل ھو اللہ احد" (تین سورتوں)سے تین وتر پڑھا کرتے تھے۔))

☆اس مسئلہ میں مشتہر نے دو روایات(صحیح مسلم :۱/۲۶۰وترمذی :۶۰۷) وغیرہ ازابن عباسؓ پیش کی ہیں۔ان دو روایتوں کا مفہوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے تین وتر پڑھے۔لیکن ان میں یہ صراحت نہیں ہے کہ کس طرح پڑھے۔

صحیح مسلم :۱/۲۵۴میں ہے کہ :

((کان رسول اللہ یصلی احدی عشرۃ رکعۃ و یسلم بین کل رکعتین و یو تر بو احدۃ))

" رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور ہر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتے تھے۔اور ایک وتر پڑھتے تھے"۔

اس سے ثابت ہوا کہ تین وتر دو سلام سے پڑھے جائیں گے۔ صحیح ابن حبان(۴/ ۷۰)وغیرہ کی ایک روایت میں اس کی صراحت بھی آئی ہے۔

ابن ابی شیبہ :۲/ ۲۹۱کی ایک روایت میں ہے کہ :

((ان النبی ﷺ کان یوتر برکعۃ وکان یتکلم بین الرکعتین والرکعۃ)) نبی ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے اور تین رکعتوں والی نماز میں دو رکعتیں پڑھ کر باتیں کرتے اور ایک رکعت پڑھتے تھے"

انور شاہ کشمیری دیوبندی نے یہ روایت "مستدرک" کی طرف منسوب کرکے اسے قوی کہا اور کہا :

"وقد مکثبت نحوأربع عشرۃ سنۃ أتفکر فیہ ثم سنح لی جواب یشفی و یکفی"

"میں چودہ سال تک اس حدیث (کے جواب)میں سوچتا رہا اور پھر مجھے اسکا شافی وکافی جواب مل گیا" (فیض الباری : ۲/۳۷۵،العرف الشذی :۱/ ۱۰۷،معارف السنن :۴/ ۲۶۴،واللفظ لہ ،درس ترمذی :۴/ ۲۲۴)

یعنی اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود مشہور دیوبندی عالم دین چودہ سال اسکا جواب سوچتے رہے انااللہ و انا الیہ راجعون

یہ جواب قطعاًباطل ہے اور یہودی تحریف سے کم نہیں ہے۔ وللتفصیل مقام آخر۔ یہ ساری مصیبت تقلید کی وجہ سے آئی ہے۔ مشہور متعصب حنفی امام عینی ایسے لوگوں کے بارے میں اعلانیہ لکھتے ہیں کہ :

"فالمقلد ذھل والمقلد جھل وآفۃ کل شی من التقلید ""پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا

مرتکب ہوتا ہے اور ہر چیز کی مصیبت تقلید میں ہے" البنایہ شرح الھدایہ :۱/ ۲۲۲ ط ملتان)
یہاں یہ بھی یاد رہے کہ حنفی علیحدہ فرقہ ہے جس میں مقلد بھی ہیں اور غیر مقلد بھی، اسی طرح دیوبندی بھی ایک علیحدہ فرقہ ہے جو کہ حنفیوں سے اصول و فروع میں جدا ہے۔
مثلاً دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ "علیؓ مشکل کشا" ہیں دیکھئے، (تعلیم الدین : ۱۷۱ ط دارالاشاعت کراچی)(کلیات امدادیہ : ۱۰۳)
بلکہ دوسرے لوگ بھی انکے نزدیک "مشکل کشا" ہیں۔ دیکھئے (فیوضات حسینی : ۶۸)
حالانکہ حنفی فقہاء میں سے ایک بھی علیؓ یا کسی مخلوق کے مشکل کشا ہونے کا قائل نہیں ہے۔ اس قسم کی بیشمار مثالوں کی وجہ سے عالمِ اسلام کے مشہور عالمِ دین الشیخ حمود بن عبداللہ بن حمود التویجری نے شرکیہ عقائد کے حامل علماء کو کافر اور مشرک لکھا ہے دیکھئے (القول البليغ في التحذير من جماعة التبليغ :۸۹، ۱۱۶ وغیرہ) شیخ حمود حنابلہ کے جید عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔
مغرب (مراکش) کے مشہور محقق اور جلیل القدر افریقی عالم الشیخ محمد تقی الدین الھلالیؒ اپنی کتاب "السراج المنیر" میں حسین احمد ٹانڈوی (مدنی!) دیوبندی کے بارے میں لکھتے ہیں : " الدجال "(القول البليغ) یعنی "یہ شخص دجال ہے"۔
دوسرے یہ کہ مشتہر کی متدل روایتوں میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ ایک یا پانچ وتر نا جائز ہیں۔
جبکہ سنن ابی داؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ : جو شخص پانچ وتر پڑھنا چاہے پانچ پڑھے، جو تین پڑھنا چاہے تین پڑھے اور جو ایک پڑھنا چاہے تو ایک پڑھ لے۔ (۱/ ۲۰۸، حدیث ۱۴۲۲)
اس روایت کو ابن حبان، حاکم، ذہبی، نووی، ابن الترمانی حنفی نے "صحیح" کہا ہے اور اسکی تعلیل مردود ہے
جناب خلیل احمد انبیٹھوی (سہارن پوری) دیوبندی لکھتے ہیں :
"وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے اور عبداللہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ وغیرہما صحابہؓ اسکے مقر، اور امام مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ کا وہ مذہب، پھر اس پر طعن کرنا مولف کا، ان سب پر طعن ہے، کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا..... الخ" (براھین قاطعہ بجواب انوار ساطعہ : ۷)
اس سے کئی باتیں ثابت ہوئیں مثلاً : ۱۔ ایک رکعت وتر کا ثبوت صحیح احادیث میں ہے۔
۲۔ ابن عباسؓ وغیرہ متعدد صحابہؓ اسکے قائل ہیں۔ ۳۔ مشتہر کی پیش کردہ حدیث ابن عباسؓ سے تین رکعت وتر کا جواز ثابت ہوتا ہے ایک یا پانچ کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ ۴۔ ایک رکعت وتر پر طعن کرنے والے بے ایمان ہیں۔

عیدین میں زائد چھ تکبیریں

((ان سعید بن العاص سئل اباموسی الاشعری و حذیفة بن الیمان کیف کان رسول اللہ ﷺ یکبر فی الاضحی و الفطر؟ فقال ابو موسی کان یکبر اربعا تکبیرة علی الجنازة فقال حذیفة صدق فقال ابو موسی کذالک کنت اکبر فی البصرة حیث علیهم))(ابوداؤد : ۱۶۳)

ترجمہ :"سعید بن العاصؓ نے ابو موسیٰ الاشعریؓ اور حذیفہؓ بن الیمان سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کس طرح تکبیر کرتے تھے تو ابو موسیٰ الاشعری نے کہا کہ جنازہ کی تکبیروں کی طرح ہر رکعت میں چار تکبیریں کرتے (پہلی رکعت میں تین تکبیریں زائد اور تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت میں تین تکبیریں زائد کی ایک تکبیر رکوع کی) اس پر حذیفہؓ نے ان کی تصدیق کی ابو موسیٰ الاشعریؓ نے مزید کہا کہ میں بصرہ میں تھا اسی طریقہ سے تکبیریں کرتا تھا۔ جب میں وہاں کا حاکم تھا"۔

☆ اس مسئلہ میں مشتہر نے ابو داؤد سے جو روایت پیش کی ہے اسکا ایک راوی ابو عائشہ ہے۔ جو کہ مجہول ہے، دیکھئے (بذل المجہود : ۶/ ۱۹۰) و عام کتب رجال

جبکہ اس سے پہلے والی صحیح روایت میں ہے کہ عیدین کی نماز میں "بارہ" تکبیریں ہیں، "سات" پہلی رکعت میں اور "پانچ" دوسری میں (ابو داؤد : ۱/ ۱۷۰ ح ۱۱۵۱)

اس روایت کو احمد بن حنبل، علی بن المدینی، الفقیہ البخاری، النووی، ابن حجر وغیرھم نے "صحیح" کہا ہے۔

موطا امام مالک میں بالکل صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ ابو ھریرۃؓ بارہ تکبیریں کہتے تھے۔ واسناده کالشمس، لاریب فیه

مزید تفصیل کے لیے امام الفریابی کی "احکام العیدین" کا مطالعہ کریں۔

بیس تراویح

۱:((عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقولون فی زمان عمر ابن الخطاب فی رمضان بثلاث و عشرین رکعة))(موطا، امام مالک : ۴۰)

ترجمہ : یزید بن رومان سے روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان (کی راتوں میں) تئیس رکعتیں پڑھتے (بیس تراویح اور تین وتر)

۲ :((وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة))(فتح الباری : ۵/ ۱۵۷)(وسکت علیه الحافظ)

۳ :((فی الموطا من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزیدانها عشرون رکعة)) (نیل الاوطار :۲/ ۲۹۸،۲۹۹)

۴:((وروی محمد بن نصر المروزی من طریق مالک عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة)) (قیام اللیل)

ان روایات کے بعینہ راوی بخاری :۱/ ۳۱۲ پر موجود ہیں۔

۵ : ((عن حسن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی ابن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث)) (مصنف ابن ابی شیبہ :۲/ ۳۹۳)

ترجمہ :" حسن بن عبدالعزیز بن رفیع سے روایت ہے کہ ابی ابن کعبؓ مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعتیں اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے"۔

☆ اس سلسلہ میں مشتہر نے جو آثار لکھے ہیں انکا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

ا۔ عن یزید بن رومان بحوالہ (موطاامام مالک :۴۰)۔

یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ علامہ عینی حنفی نے عمدۃالقاری :۱۱ ۱۲۷ میں صراحت کی ہے۔

علامہ نیموی حنفی لکھتے ہیں : یزید بن رومان نے عمر بن خطابؓ کا زمانہ نہیں پایا (آثارالسنن،حاشیہ :۲۵۳)

جبکہ اس منقطع روایت سے متصل پہلے صحیح و متصل سند کے ساتھ ثابت ہے۔کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعات کا حکم دیا تھا۔(مؤطا :۹۸)

اس فاروقی حکم والی روایت کو ضیاء المقدسی ، طحاوی حنفی اور النیموی حنفی نے "صحیح" قرار دیا ہے۔ جسکی تفصیل راقم الحروف کی کتاب "تعداد رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ" میں ہے۔(۱۹تا۲۱)

حنفی محققین کا مسلک یہ ہے کہ تعارض کی صورت میں متصل کو منقطع پر ترجیح ہوگی (جامع التحصیل فی احکام المراسیل للعلائی :۳۴)

مگر چونکہ دیوبندی فرقہ حنفیوں سے علیحدہ فرقہ ہے لہٰذا شاید انکے نزدیک متصل کے مقابلے میں منقطع پیش کرنا جائز ہے ؟..... اناللہ وانا الیہ راجعون ۲، ۳۔یزید بن خصیفہ عن سائب بن یزید،الخ بحوالہ مالک

یہ روایت موطاامام مالک میں نہیں ملی مشتہرین حضرات سے درخواست ہے کہ یا تو موطا کے کسی بھی قلمی یا مطبوع نسخہ سے یہ روایت دکھائیں یا پھر صاحبِ فتح الباری اور صاحب نیل الاوطار سے لے کر امام مالک تک صحیح سند پیش کریں۔اور اگر نہ کر سکیں تو موطا کے موجودہ نسخہ کی متصل ، صحیح و غیر مضطرب روایت کو مان لیں۔

والحق احق ان یتبع۔

۴۔روی محمد بن نصر المروزی من طریق مالک الخ

امام محمد بن نصرؒ کی اس کتاب میں یہ روایت نہیں ملی جسے مقریزی نے مختصر کیا ہے۔اصل کتاب سے امام محمد بن نصر سے لے کر امام مالک تک مکمل سند پیش کریں۔ اذلیس فلیس۔

یادرہے کہ موطا کی صحیح و متصل روایت (گیارہ والی) پر امام مالک کا اپنا عمل بھی ہے دیکھئے (کتاب التہجد للحافظ عبدالحق الاشبیلی متوفی :۵۱۰ھ :۲۸۷)

۵۔عن حسن بن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی .... الخ بحوالہ ابن ابی شیبہ :۲/ ۳۹۳)

اسکے بارے میں علامہ نیموی حنفی نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز بن رفیع نے حضرت ابی بن کعبؓ کو نہیں پایا۔(آثار السنن حاشیہ :۳۹۷)

منقطع روایت کے بارے میں ڈاکٹر محمود الطحان (جو کہ غالباً حنفی ہیں) اپنی کتاب (تیسیر مصطلح الحدیث : ۷۸)میں لکھتے ہیں " المنقطع ضعیف بالاتفاق بین العلماء ""علماء کا اس پر اتفاق (اجماع) ہے کہ منقطع روایت ضعیف ہوتی ہے۔

حج کے مواقع کے سوا دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع نہ کرنا

((عن عبداللہ بن مسعودؓ قال مارأیت رسول اللہ ﷺ صلی صلوۃ الا میقاتھا لاصلوتین صلوۃ المغرب و العشاء بجمع وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا وفی روایۃ قبل و قتھا بغلس (مسلم شریف :۱/ ۴۱۷) ترجمہ :"عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے وقت کے بغیر کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا سوائے دو نمازوں کے یعنی مغرب اور عشاء جن کو مزدلفہ میں (ایک ہی وقت میں) پڑھا اور اس دن فجر کو اپنے وقت سے پہلے پڑھا اور ایک روایت میں ہے کہ فجر کو اپنے وقت سے پہلے اندھیرے میں پڑھا۔

☆اس سلسلہ میں مشتہر نے سیدنا ابن مسعودؓ کی ایک روایت بحوالہ (صحیح مسلم :۱/ ۴۱۷) پیش کی ہے۔جس میں "مارأیت" کے الفاظ ہیں۔یعنی میں نے نہیں دیکھا۔

جبکہ دوسرے صحابہؓ نے دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے حج کے علاوہ دوسرے مواقع پر دو نمازیں جمع کی ہیں

مثلاً ۱۔مدینہ میں رفعِ حرج کے لیے جمع،(صحیح مسلم :۱/ ۲۴۶ عن ابن عباسؓ)

۲۔غزوہ تبوک میں جمع بین الصلاتین،ایضاً عن معاذؓ ۳۔سفر میں جمع،ایضاً

لہذا "مارأیت" والی روایت کو" رأیت رسول اللہ ﷺ جمع بین الظھر و العصر "الخ (ایضاً) کے مقابلے میں پیش کرنا غلط ہے۔ مثلاً :زید و عمرو دو سچے آدمی ہیں،دونوں حافظ محمد ادریس کے دوست

ہیں۔ زید کہتا ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ حافظ صاحب کبھی لاہور گئے ہوں۔ جبکہ عمرو گواہی دیتا ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ حافظ صاحب لاہور گئے ہیں۔ بتائیں آپ کس کی روایت مانیں گے؟

ظاہر ہے جو دیکھنے کا دعویدار ہے اسکی بات واجب التسلیم ہوگی۔ کیونکہ نفی کے مقابلے میں اثبات مقدم ہوتا ہے۔ پتہ نہیں اتنی معمولی سی بات دیوبندی حضرات کے ذہن میں کیوں نہیں آرہی؟

نماز مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھنا

((عن طاوس قال سئل بن عمرؓ عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احداً علی عهد رسول الله ﷺ یصلیهما))(ابو داؤد :۱/۱۸۲)

ترجمہ: "ابن عمرؓ سے مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے کہا کہ میں نے عہد نبوی میں دو رکعتیں کسی کو پڑھتے نہیں دیکھا"۔

☆اس سلسلہ میں بھی مشتہر نے ایک ایسی روایت پیش کی ہے جس میں "مارأیت" کے الفاظ ہیں (بحوالہ ابوداؤد)

اس روایت سے ایک روایت پہلے جناب انس بن مالکؓ کی حدیث ہے کہ

"صلیت الرکعتین قبل المغرب علی عهدرسول الله ﷺ "میں نے نماز مغرب سے پہلے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو رکعتیں پڑھی ہیں" (ابو داؤد :۱/۱۸۹ح ۱۲۸۲)

یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے اس کے علاوہ کئی احادیث ہیں۔ جن سے ان رکعتوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض قولی ہیں اور بعض فعلی مثلاً ایک روایت میں ہے کہ: ان رسول الله ﷺ صلی قبل المغرب رکعتین ،ثم قال : صلواقبل المغرب رکعتین الخ" "بے شک رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر فرمایا: مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو" (قیام اللیل للمروزی، اختصار المقریزی ۶۴)

اس روایت کے بارے میں علامہ مقریزیؒ فرماتے ہیں:

"هذا اسناد صحیح علی شرط مسلم" یہ سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

یہاں پر بطور تنبیہ عرض ہے کہ مشتہر نے "مارأیت" والی جو روایت لکھی ہے اس میں یہ خیانت کی ہے کہ روایت کا آخری حصہ ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ اس روایت کے آخر میں ہے: "ورخص فی الرکعتین بعد العصر" "اور ابن عمرؓ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ (ابوداؤد :۱/۱۸۹)

چونکہ یہ روایت دیوبندی حضرات کے خلاف تھی۔ لہذا اس کا آخری حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔

نرم ترین الفاظ میں اس عمل کو یہودیانہ تحریف ہی کہا جا سکتا ہے۔ "وماعلینا الاالبلاغ"